www.rahimia.org

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

مارچ 2017ء / جمادی الاخریٰ 1438ھ جلد نمبر 9، شمارہ نمبر 3 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبر شپ: 200 روپے - تین سالہ ممبر شپ: 500 روپے

حُسنِ ترتیب

- انسانی ترقی کی اساسیات؛ سورت الفاتحہ
- دینی معاشرے کی پہچان اور ہماری حالت
- اصل دیوبند کا حقیقی بیانیہ
- انسانی جبلت کی حقیقت اور اس کی اقسام
- عورت کی رائے کا احترام
- معیشت کی وہی پُرانی کہانی
- امریکا کی عالمی بالادستی سے واپسی
- اللہ تعالیٰ کی قدر و عظمت کا تقاضا
- مسلمان ملکوں کی حالتِ زار
- اپنا کام آپ کرو
- حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ اور بے لوث خدمتِ انسانیت
- عارف الہند امامِ ربانی شیخ احمد سرہندیؒ
- اسلامی بینکاری؛ کتنی اسلامی؟
- ولی اللّٰہی نظریہ اور عصر حاضر کی ضرورت
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی
خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

شام کی مجلس میں راؤ فضل الرحمٰن خاں صاحب نے اَخباری بات سنائی کہ چند روز میں حکومتِ (برطانیہ) کا (کیبنٹ) مشن' لندن سے پھر ہندوستان کے فسادات کے معائنے کے لیے آ رہا ہے۔ اس پر حضرتؒ نے ہنس کر فرمایا کہ: ''لو وہ بندر بانٹ لے کر پھر آ رہا ہے۔ (تحریکِ) خلافت کے زمانے میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بڑے جوش میں تھے اور رائے پور بھی تقریر کرنے تشریف لائے تھے تو انھوں نے بلیوں کے پُنیر بانٹنے والے بندر کی حکایت جیسا کہ وہ اکثر جگہ سنایا کرتے تھے، یہاں بھی سنائی، جو اکثر کتابوں میں بھی ہے۔''

حضرت والاؒ نے فرمایا: ''ہم دونوں قومیں اپنا پُنیر خود بانٹ لیں گے، مگر بندر کو مہربانی کرنی چاہیے اور (ہندوستان چھوڑ کر یہاں سے) چلے جانا چاہیے۔ اب ہم ہرگز ہرگز بندر سے پُنیر نہیں بٹوائیں گے۔ مگر وہ بندر تو ابھی تک پُنیر بانٹ بانٹ کر اپنا پیٹ بھر رہا ہے اور بلیاں آپس میں لڑ رہی ہیں۔''

(مجلس ۲۹؍ ذوقعدہ ۱۳۶۵ھ/ 25؍ اکتوبر 1946ء بروز: جمعہ مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری، ص 175، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A، کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر حضرت مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

انسانی ترقی کی اساسیات؛ سورت الفاتحہ

سورتِ فاتحہ قرآن حکیم کی سب سے پہلی سورت اور اس کا دیباچہ ہے۔ یہ سورت قرآن حکیم کا افتتاحیہ ہے۔ اس سورت کا ایک نام "الأساس" بھی ہے۔ اس سورت میں انسانی سماج کی تشکیل اور ترقی کے بنیادی اساسی اصولوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ پورا قرآن حکیم انھی اساسی اصولوں کی تشریح و تفصیل ہے۔ قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ سورتِ فاتحہ میں بیان کردہ اساسی اصولوں کا بنیادی خاکہ پیشِ نظر رکھا جائے۔ اس طرح قرآن حکیم کا مربوط نظامِ فکر و عمل بہ خوبی سمجھ آجاتا ہے۔

قرآنِ حکیم انسانی سماج میں اپنے نظامِ فکر و عمل کے مطابق سماجی تبدیلی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کا مقصد دیگر تمام ناقص افکار و خیالات اور ادھورے نظام ہائے حیات میں تبدیلی پیدا کرکے انسانی معاشرے کی اجتماعی ترقی کی راہ کھولنا ہے۔ اس تناظر میں قرآن حکیم نے تعلق مع اللہ اور انسانیت کے باہمی تعلقات کے حوالے سے علم اور عدل پر مبنی واضح قوانین، احکامات، قواعد و ضوابط اور عملی نظامِ حیات دیا ہے۔ تاکہ ظلوم و جہول انسان کی جہالت اور ظلمت دور ہو۔ قرآن حکیم نے دیگر فرسودہ مذاہب اور افکار و خیالات میں جہالت اور ظلمت پر مبنی رویوں کی نشان دہی کی ہے۔ اس طرح اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ قرآن حکیم کا بیان کردہ نظامِ فکر و عمل ہی وہ واحد ضابطۂ حیات ہے، جو انسانی سماج کی دُنیوی اور اُخروی ترقی کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔

سورتِ فاتحہ میں بیان کردہ مضامین اور اساسی اصول بنیادی طور پر دو حصوں پر مشتمل ہیں: پہلا حصہ علمِ صحیح کے مرکز و منبع ذاتِ باری تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہے، جب کہ دوسرے حصے کا تعلق انسانیت کے لیے عدل و انصاف پر مبنی صراطِ مستقیم اور اس پر چلنے والے انعام یافتہ رہنماؤں کی اتباع سے ہے۔ دین کی بنیاد انھی دو باتوں پر قائم ہے:

1۔ خدا پرستی: ذاتِ باری تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی طاقت و قدرت اور علم کو تسلیم کرنا۔

2۔ انسان دوستی: اللہ کی جانب سے نوعِ انسانیت کی فلاح اور ہدایت کے جامع نظامِ عدل کی اتباع کرنا، تاکہ انسانیت اپنی "ظلوم و جہول" کی حالت سے نکلے۔

اس سورتِ مبارکہ کی ابتدائی آیات پر مشتمل پہلا حصہ خدا پرستی کی حقیقی نوعیت اور اس کے بنیادی اساسی اصولوں کی نشان دہی کرتا ہے۔ جب کہ آخری آیات پر مشتمل دوسرا حصہ انسان دوستی کی صحیح نوعیت اور اس کے بنیادی اصولوں کی نشان دہی کرتا ہے۔ سورتِ فاتحہ کے متعلق اس کے مضامین کے دو حصوں میں تقسیم ہونے کی صراحت خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب نماز میں بندہ سورتِ فاتحہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: "میں نے صلوٰۃ (سورتِ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے۔ پس اس کا آدھا حصہ میرے لیے ہے اور آدھا حصہ میرے بندے کے لیے ہے۔" (رواہُ مسلم)

درسِ حدیث

تشریح: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

دینی معاشرے کی پہچان اور ہماری حالت

عَنْ اَبی ھریرۃؓ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: "اَلْمُسْلِمُ اَخُوْا الْمُسْلِمِ، لَایَظْلِمُهٗ، وَ لَا یَخْذُ لُهٗ، وَ لَا یَحْقِرُهٗ." (صحیح مسلم، حدیث نمبر 6541)

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم نہیں کرتا۔ نہ اسے کسی مصیبت میں چھوڑ کر چل دیتا ہے۔ اور نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔")

یہ حدیثِ مبارکہ دینی معاشرے کی یہ خصوصیات بیان کرتی ہے کہ اس میں اعلیٰ درجے کے انسانی اقدار موجود ہوتے ہیں۔ اس میں ہر انسان دوسرے انسان کا خیر خواہ، مددگار اور عزت کا محافظ ہوتا ہے۔ یوں پورا معاشرہ عمدہ اَخلاق کی ایک مثال بن جاتا ہے۔ اس مثبت رجحانِ فکر کی بنا پر انسان دوسرے انسانوں پر ظلم نہیں کرتے۔ نہ ہی دوسروں کو بے یار و مددگار چھوڑتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حقیقی دینی معاشرے کی یہی پہچان ہے۔ اگر کسی معاشرے میں ناانصافی، تذلیل اور تحقیر پائی جاتی ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس معاشرے کا فکر و فلسفہ دینی نہیں ہے۔ ایسے بداَخلاق معاشرے کے ذمے داران دعوے کچھ بھی کریں، درحقیقت وہ ایک بے دین اور دنیادار معاشرہ ہوتا ہے۔ جس معاشرے کے باشندے ذاتی، گروہی یا صرف اپنی ہی قوم کے مفاد کو سامنے رکھ کر زندگی گزارتے ہیں، وہ معاشرہ مادہ پرستانہ سوچ کا غماز ہے۔ اور ایسا معاشرہ کبھی بھی اعلیٰ انسانی اقدار اور عمدہ اَخلاق کی معراج نہیں پاسکتا۔ اسی بنا پر رسول اللہؐ نے اپنی بعثت اور اپنی دینی فکر کا منتہائے نظر عمدہ اَخلاق کی تمام جہات کو اُجاگر کرنا بتایا ہے۔ ہم اپنی اجتماعی قومی حالت کا جب جائزہ لیتے ہیں تو عمومی طور پر اَفراد اپنی انفرادیت اور ذات کے خول میں بند نظر آتے ہیں۔ کسی دوسرے کے سماجی، معاشی حقوق اگر پامال ہو رہے ہوں تو آس پاس کے لوگ اس طرف بہت کم دھیان دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ انسان کی بے عزتی اور قتل تک دیکھ کر آنکھیں پھیر لی جاتی ہیں۔ اس کی ایک بڑی وَجہ ریاستی اداروں میں پائی جانے والی انصاف کی عدم فراہمی ہے۔ کوئی انسان سچی گواہی دینا اس لیے قبول نہیں کرتا کہ پیچیدہ اور بے رحم عدالتی کلچر سچی گواہی کو ایک بے وقوفی ثابت کر دیتا ہے۔ یوں اعلیٰ اَخلاق سے بے زاری کا ایک بڑا سبب ہمارا ریاستی ڈھانچہ ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ عوام الناس میں دوسروں سے لاتعلقی کی صورت میں نکلتا ہے۔

حاصل یہ کہ افرادِ معاشرہ میں بے حسی اور بیگانگی دو وَجہ سے ہوتی ہے: ایک مادہ پرستانہ سوچ اور دوسرا ریاستی نظام کا اجتماعیت گریز رجحان۔ یہ دونوں باتیں انسانوں کے اَخلاق بگاڑ کر ان کے درمیان خلیج پیدا کر دیتی ہیں۔ چوں کہ موجودہ نظام اور معاشرہ ہمارے اخلاق برباد کر رہا ہے، اس لیے ہمیں اپنے فکر و فلسفہ اور نظام میں بنیادی تبدیلی کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ عمدہ اَخلاق محض انفرادی کوشش سے نہیں، بلکہ اجتماعی ماحول میں جنم لیتے ہیں۔

www.rahimia.org

اداریہ

اصل دیوبند کا حقیقی بیانیہ

آج کل پاکستان میں دہشت گردی کی جو لہر آئی ہوئی ہے، اُس نے پورے معاشرے کو عدمِ تحفظ کے احساس سے دوچار کر رکھا ہے۔ اور ہمارے حکمران اس بار بھی دہشت گردی کی کارروائی کے بعد دیے جانے والے روایتی بیانات ہی سے کام چلا رہے ہیں۔ ہمارے مقتدر حلقوں نے پاکستان میں دہشت گردی کے حقیقی عوامل اور تاریخ سے ہمیشہ اعراض برتا ہے۔ اسی تناظر میں آج کل سوشل میڈیا پر ایک نئے رخ سے بحث جاری ہے۔ جس میں ایک حلقہ دیوبندیت سے موسوم مذہبی جماعتوں کو اپنا بیانیہ تبدیل کرنے کو کہہ رہا ہے۔ کیوں کہ اُن کے خیال میں پاکستان میں دہشت گردی کے بڑے اسباب میں سے ایک سبب اُن کا ''جہادی'' بیانیہ رہا ہے۔

جب کہ مدمقابل دیوبندی کہلانے والا طبقہ متضاد بیانات سے اپنا دفاع کرتا نظر آتا ہے۔ ایسے میں تاریخ کے ایک طالب علم کے لیے یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ تاریخ کی ورق گردانی کرے اور اصل دیوبند کے حقیقی بیانیے کی کھوج لگائے۔ تاکہ پاکستان میں پیدا کی گئی فکری ژولیدگی سے بچا جاسکے۔ اور نظریہ ضرورت کے تحت مختلف اوقات میں اپنے مفادات کے زیراثر متضاد بیانیوں کی حامل جماعتوں اور حلقوں کی پریشان خیالیوں کو سمجھا جاسکے۔

دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے آگاہ ہر فرد یہ حقیقت جانتا ہے کہ اس کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس ادارے کو قائم کرتے ہوئے اصولِ ہشت گانہ کے ذریعے سرمایہ دار قوتوں، سامراجی اداروں اور حکومتی پالیسیوں سے آزاد رکھنے کی ایک مؤثر حکمتِ عملی تشکیل دی تھی۔ اس ادارے کے پیش رو بزرگوں نے اسے فرقہ نہیں بننے دیا۔ چناں چہ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ: ''دیوبندیت کوئی مذہب یا فرقہ نہیں۔'' وہ لکھتے ہیں: ''علمائے دیوبند کا دینی رُخ یا مسلکی مزاج اَلسُّنّہ اور الجماعہ کے مجموعے سے وجود پذیر ہوا ہے۔ اس لیے اُس کے اعتقادات وعبادات، اَخلاق و معاملات، سیاسیات واجتماعیات اور سارے ہی احوال وکیفیات میں اسی توسط واعتدال کی روح دوڑی ہوئی ہے۔'' وہ مزید لکھتے ہیں: ''انگریزوں کے تسلط کے بعد حقوق طلبی کے لیے جب کانگریس قائم ہوئی تو سب سے پہلے حضرت قطبِ وقت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ سرپرست ثانی دارالعلوم دیوبند نے اس میں شرکت کا فتویٰ دیا۔'' وہ دیوبند کے فضلا کے اقدامات کو سراہتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''انھوں نے تمام اقلیتوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کا بیڑا اُٹھایا۔'' (علمائے دیوبند کا دینی رُخ اور مسلکی مزاج/مقدمہ تاریخ دارالعلوم دیوبند)

مولانا سیّد محمد میاںؒ فرماتے ہیں: ''شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ العزیز کی ہدایت کے بہ موجب عدمِ تشدد اور ہندو مسلم اشتراک کے تعاون کے ذریعے حصولِ آزادیٔ وطن کی جدوجہد کی گئی۔'' (جمعیت العلما کیا ہے؟)

مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں: ''میں ہر اُس انقلابی جماعت میں شریک ہونے کے لیے تیار ہوں، جو برطانوی اقتدار اور شہنشاہیت کو ہندوستان سے ختم کرنے یا کم کرنے کی سچائی سے کوشش کرتی ہو اور اپنی پالیسی عدمِ تشدد رکھتی ہو۔'' (ملفوظاتِ مدنی)

اسی طرح مولانا عبیداللہ سندھیؒ اپنی جماعت کی پالیسی اور حکمتِ عملی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''جمعیت العلما عدمِ تشدد پر یقین رکھتی ہے۔ اسے اپنے ملک اور قوم میں، اپنی قوت اور عقل مندی پر بفضلہٖ تعالیٰ پورا اعتماد ہے۔ وہ جب اپنی عدمِ تشدد اور قوتِ حاکمہ کی مصلحت شناسی کا عمیق مطالعہ کرتی ہے تو اسے اپنے مقصد میں کامیابی کا جلوہ نظر آتا ہے۔'' (خطبات ومقالات)

الغرض! یہ جماعت اپنے سیاسی فکر کے بیانیے میں عدمِ تشدد کی حکمتِ عملی کی طرح قومیت، جمہوریت، معاشی عدل، امن، سماجی انصاف، انسان دوستی، سامراج دشمنی، مزاحمتی فکر اور سیاسی بصیرت میں واضح اور دوٹوک رہی ہے۔ اسی وجہ سے دین اسلام کی جامع تعلیمات شریعت، طریقت اور سیاست پر عمل پیرا یہ جماعت اپنی وسیع المشربی کی وجہ سے پوری دنیا میں پہچانی جاتی تھی۔ پاکستان میں دیوبندیت سے منسوب حلقے اگر ان اکابر کی نظریاتی وفکری میراث کو حقیقی طور پر قبول کرتے تو وہ پاکستان میں سب سے بڑی قومی پارٹی کے محرک کے طور پر قوم کے سامنے آسکتے تھے۔ کیوں کہ اُن کی فکری میراث کی بنیاد خدا پرستی اور انسان دوستی کے فکر پر تھی۔ لیکن وہ بدقسمتی سے بین الاقوامی سطح پر دو بڑی قوتوں کے درمیان لڑی جانے والی جنگ میں انھیں عوارض کا شکار ہوگئے، جن پر بند باندھنے کے لیے بانیٔ دارالعلوم نے اصولِ ہشت گانہ تخلیق کیے تھے۔

چناں چہ پاکستان میں مخصوص حلقوں کی مذہبی سیاست سامراجی اور سرمایہ پرست قوتوں کے زیر اثر فرقہ واریت، غیر سیاسی شعور، غیر جمہوری اندازِ فکر، پُرتشدد تحریکات، انتہا اور شدت پسندی کے بیانیے کے ساتھ پروان چڑھتی رہی۔ ان کے ہاں معاشی عدل، سماجی انصاف اور انسان دوستی کے بجائے فرقہ وارانہ مسائل پر بحث ومباحثے، دل پسند اور مرغوب مشغلے ٹھہرے۔ اور بالآخر یہ سرگرمیاں موجودہ حالات میں ڈھل گئیں۔

اب اس تلخ حقیقت کو ان حلقوں کے لیے ماننا مشکل ہوگیا ہے کہ وہ حال کو ماضی کا ثمر تسلیم کرلیں۔ موجودہ فضا جس نے ہمارے ماضی کی کوکھ سے جنم لیا ہے، اس کی ذمہ داری ہماری مقتدر قوتوں کو قبول کرلینی چاہیے۔ بیانیوں کی اس جنگ میں ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ تاریخ ہماری مذہبی قوتوں کے اُن فتوؤں اور دلائل کو محفوظ کرچکی ہے، جن کے باعث ہم اس حالت کو پہنچے ہیں۔

تاریخ اصل دیوبند کے حقیقی بیانیے کے مبلغ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی اُن کوششوں کو بھی محفوظ کرچکی ہے کہ جس میں انھوں نے ہر طرح کی مخالفت کے باوجود ہر طرح کے دباؤ سے بے نیاز ہوکر اکابرین کی حقیقی فکر پر اپنی ساری زندگی قربان کردی۔ وہ پوری زندگی قوم اور مقتدر قوتوں کو اُن کی فرقہ وارانہ، تشدد، غیر جمہوری اور انسانیت سے عاری پالیسیوں کے باعث پاکستان میں پیدا ہونے والے حالات سے قبل از وقت آگاہ کرتے رہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس موقع پر ہم اپنی تاریخ اور پالیسیوں پر نظرثانی کرتے ہوئے نئے حالات کے مطابق ایک نیا لائحۂ عمل مرتب کریں۔ جس کی بدولت قوم امن وچین کے ماحول میں پُرسکون زندگی بسر کرسکے۔ (مدیر)

www.rahimia.org

افکار امام شاہ ولی اللہ دھلویؒ

انسانی جِبلّت کی حقیقت اور اس کی اقسام

مترجم: مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری

برعظیم پاک و ہند کی عظیم ترین شخصیت حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں انقلابی افکار اور تعلیمات انسانیت کے سامنے پیش کیے ہیں۔ دوسرے ہجری ہزارے میں دین حق کی سچی تعلیمات پر مبنی اُن کے بیان فرمودہ افکارِ عالیہ آج بھی اپنے اندر تازگی رکھتے ہیں۔ یہ افکارِ عالیہ نئی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ مترجم

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ حُجّة الله البالغه میں فرماتے ہیں:

’’ہر انسان کی جبلت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ اسی وَجہ سے اُن کے اَخلاق و اَعمال اور مراتبِ کمال میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اصل بنیاد وہ احادیث ہیں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ’’جب تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گیا تو اُس کی تصدیق کردو۔ اور جب یہ سنو کہ کسی آدمی کی جبلت بدل گئی تو اُس کی تصدیق مت کرو۔ اس لیے کہ وہ اپنی فطری جبلت کے مطابق ہی عمل کرے گا۔‘‘ (مشکوٰۃ، حدیث 123) اسی طرح آپؐ نے فرمایا: ’’خبردار! بے شک آدم کی اولاد مختلف طبقات پر پیدا کی گئی ہے۔ پس اُن میں سے کچھ لوگ پیدائشی مسلمان ہوتے ہیں۔ الخ‘‘ آپؐ نے لمبی حدیث میں لوگوں کے غصے اور قرضوں کی ادائیگی کے مختلف رویوں پر مبنی کئی طبقات بیان فرمائے۔ (مشکوٰۃ، حدیث 5145) اسی طرح آپؐ نے فرمایا: ’’جیسے سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، ایسے ہی انسانوں کی بھی کانیں ہوتی ہیں۔‘‘ (مشکوٰۃ، حدیث 201) اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ’’کہہ دیجیے! ہر انسان اپنی طبیعت اور فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے۔‘‘ (83:17)

ان احادیث اور آیات کے معانی اللہ نے مجھے سمجھائے اور اُن کے فہم کا دروازہ مجھ پر کھولا ہے۔ اگر تم اس کو واضح طور پر سمجھنا چاہتے ہو تو جاننا چاہیے کہ انسانوں میں اُن کی قوتِ ملکیہ دو طرح سے پیدا کی گئی ہے:

1۔ ایسی قوتِ ملکیہ جو ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ پوری مناسبت رکھتی ہے۔ ان لوگوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے اسما و صفات کے علوم، عالم جبروت کے دقائق کی معرفت، اللہ کے پسندیدہ نظام کا پورا احاطہ اور اُس نظام کو دنیا میں قائم کرنے کی پوری اجتماعی ہمت اور ارادے کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔

2۔ ایسی قوتِ ملکیہ جو ملاءِ سافل سے مناسبت رکھتی ہے۔ اُن کی شان یہ ہے کہ وہ ملاءِ اعلیٰ کی جانب سے آنے والے ہر حکم پر عمل کے لیے فوراً اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، لیکن نہ تو وہ اُس نظام کا پورا احاطہ کیے ہوئے ہوتے ہیں اور نہ ہی انھیں اُس کی پوری معرفت ہوتی ہے اور نہ اُن میں اجتماعی ہمت پورے طور پر کارفرما ہوتی ہے۔ البتہ اُن میں نورانیت اور بہیمی خصلتوں کو توڑنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

اسی طرح انسانوں میں قوتِ بہیمیہ بھی دو طرح سے پیدا کی گئی ہے:

1۔ ایسی بہیمیت جو شدید اور طاقت ور ہوتی ہے۔ ایسے تر و تازہ جانور کی طرح جو عمدہ غذا کھا کر پلا ہوا اور اُس کی خوب دیکھ بھال کی گئی ہو۔ وہ بڑے ڈیل ڈول اور مضبوط جسم، بلند آواز، مضبوط گرفت والا، اپنی ہمت اور ارادے کے مطابق عمل کر گزرنے والا، متکبر، بڑا غصیلا، حاسد، وافر جنسی طاقت کا حامل، دل کا مضبوط اور دوسروں پر غالب آنے والا ہو۔

2۔ ایسی بہیمیت جو کمزور اور ناقص ہو۔ ایسے خصی اور ناقص جانور کی طرح جس نے قحط کے زمانے اور غیر مناسب ماحول میں پرورش پائی ہو۔ اس کی وَجہ سے بہت کمزور جسم، حقیر، پست آواز، کمزور گرفت، بزدل اور مقابلے کے وقت کمزور ہمت ہو۔

ان دونوں قوتِ ملکیہ اور بہیمیہ کی ہر دو حالتوں میں سے ہر ایک قسم کی ایک خاص جبلت ہے، جو صرف اُسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر اس سے پھوٹنے والے اعمال ہیں جو اُس قوت کی تائید کرتے، اُسے مضبوط بناتے اور اُس کی مدد کرتے ہیں۔

اسی طرح ان دونوں قوتوں کے باہم اجتماع کے حوالے سے بھی دو قسمیں ہیں:

1۔ یہ دونوں قوتیں ایک دوسرے سے کش مکش اور تجاذب کی حالت میں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے تقاضوں کو وجود میں لانے کے حوالے سے پورا پورا کردار ادا کرتی ہیں۔ وہ اپنے جبلی، فطری اور طبیعی تقاضوں کو انتہا تک پہنچانے کا ہدف رکھتی ہیں۔ ایسی صورت میں یقیناً دونوں قوتوں کے درمیان کش مکش جاری رہتی ہے۔ اگر ایک قوت غالب آجاتی ہے تو دوسری کے آثار مضمحل اور کمزور پڑ جاتے ہیں۔ اور اگر دوسری قوت غالب آجاتی ہے تو پہلی قوت کے آثار اسی طرح مغلوب ہوجاتے ہیں۔

2۔ ان دونوں قوتوں کے اجتماع میں باہم صلح و صفائی پائی جائے۔ اس طرح پر کہ قوتِ ملکیہ اپنے خالص حکم کے مطالبے سے دست بردار ہو کر اُس کے قریب قریب حکم پر صلح کرلیتی ہے۔ یعنی عقل، سخاوتِ نفس، عفتِ طبع، عام انسانوں کے نفع کے لیے اپنے ذاتی نفع کا ایثار، دنیاوی فائدے کے بجائے آخرت پر نظر، اپنے سے متعلق تمام چیزوں میں پاکیزگی اور طہارت کی محبت وغیرہ وغیرہ۔ اور بہیمیت بھی اپنے خالص حکم سے اوپر اٹھ کر ایسی جگہ پہنچ جاتی ہے کہ جو اجتماعی مفاد سے زیادہ دور نہیں ہوتی اور نہ اُس سے زیادہ متضاد ہوتی ہے۔ اس طرح ان دونوں قوتوں میں صلح ہوجاتی ہے اور ایسا مزاج وجود میں آتا ہے، جو آپس میں ایک دوسرے سے مخالفت نہیں رکھتا۔

قوتِ ملکیہ اور بہیمیہ کے ان چار درجات اور ان دو اجتماعی حالتوں کے باہمی ملاپ سے بے شمار اقسام وجود میں آتی ہیں۔ البتہ بنیادی اقسام جو اپنے احکام میں بالکل علاحدہ ہوں اور جن کو الگ الگ شناخت کیا جاسکے، کُل آٹھ ہیں۔ ان دونوں قوتوں کے باہمی کش مکش اور تجاذب کی اجتماعی حالت کی یہ چار اقسام ہیں: 1۔ ملکیتِ عالیہ اور بہیمیتِ شدیدہ۔ 2۔ ملکیتِ عالیہ اور بہیمیتِ ضعیفہ۔ 3۔ ملکیتِ سافلہ اور بہیمیتِ شدیدہ۔ 4۔ ملکیتِ سافلہ اور بہیمیتِ ضعیفہ۔ اسی طرح دونوں قوتوں میں باہمی مصالحت کی بھی یہی چار اقسام ہیں۔ ہر قسم کا ایک الگ حکم ہے، جو کبھی مختلف نہیں ہوتا۔ جسے ان قسموں کے احکامات کی معرفت حاصل کرنے کی توفیق ہوگئی تو وہ بہت سی ذہنی تشویشات سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔‘‘ (باب اختلاف النّاس فی جبلّتهم الخ)

www.rahimia.org

شکیل احمد ساجد، بہاول نگر

عورت کی رائے کا احترام

اسلام نے عورت کو بہت اعلیٰ مقام سے نوازا ہے۔ اس کے برعکس یورپ کا پروپیگنڈا اسلام کے خلاف بے جا ہے کہ اس نے عورت کو بے بسی، مجبوری اور محکومی کے علاوہ کچھ نہیں دیا۔ عورت کو ماں، بیٹی اور بیوی کا درجہ دیا اور اس کے حقوق و فرائض متعین کر دیے۔ عورت اپنا حقِ رائے دہی استعمال کرنے میں پوری طرح آزاد ہے۔ جب ہم نبی اکرمؐ کی زندگی، صحابہؓ اور صحابیاتؓ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ عورت کی تکریم، اس کی رائے کا احترام اور اس کے اعزاز کے واقعات قدم قدم پر مشعلوں کی صورت میں روشن دکھائی دیتے ہیں۔

آج ان ہی واقعات میں سے ایک صحابیہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ محترمہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی ایک لونڈی تھیں، جن کا نامِ مبارک حضرت بریرہؓ تھا اور وہ حضرت مغیث افریقیؓ کے نکاح میں تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب حضرت بریرہؓ کو آزاد فرمایا تو ان کو یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ جب کوئی لونڈی آزاد ہوتے وقت اگر کسی کے نکاح میں ہو تو اسے یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اگر اپنے اس خاوند کے ساتھ رہنا چاہے تو رہ سکتی ہے۔ اگر اس سے علاحدہ ہونا چاہے تو یہ بھی اس کو اختیار حاصل ہوتا ہے۔

اسی قاعدے کے مطابق حضرت بریرہؓ نے اپنے اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے حضرت مغیثؓ سے علاحدگی اختیار کر لی۔ جس کا حضرت مغیثؓ کو بہت صدمہ ہوا۔ حضرت مغیثؓ اس صدمے سے مدینے کی گلیوں میں روتے پھرتے تھے۔ ان کی جدائی کو برداشت نہیں کر پا رہے تھے اور کہتے تھے کہ کوئی میری سفارش حضرت بریرہؓ سے کر دے اور ان کو مجھ سے راضی کر دے۔

آخر کار یہ بات نبی اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں پہنچی۔ نبی اکرمؐ نے مغیثؓ کو بلا کر پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ: میں بریرہؓ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جب نبی اکرمؐ نے بریرہؓ سے پوچھا تو اس اللہ کی بندی نے جواب دیا کہ وہ مغیثؓ کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ نبی رحمتؐ نے حضرت بریرہؓ سے حضرت مغیثؓ کی سفارش کی اور فرمایا کہ: اگر تم اس کے پاس واپس چلی جاؤ تو بہتر ہے۔ وہ آپ کے فراق میں بے چین ہو رہے ہیں۔ اس پر حضرت بریرہؓ نے سوال کیا کہ ''یا رسول اللہ! آپؐ مجھے حکم دے رہے ہیں یا یہ آپؐ کا مشورہ ہے؟'' آپؐ نے فرمایا کہ: ''حکم نہیں، بلکہ مشورہ ہے۔'' اس پر حضرت بریرہؓ نے جو جملہ کہا، وہ عورت کی رائے اور حق کے احترام کی روشن مثال ہے کہ: ''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس پر حضرت مغیثؓ اور بریرہؓ کے نکاح کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ حضرت بریرہؓ نے اپنے اختیار اور حق کا آزادانہ استعمال کیا۔ اس پر حضور اقدسؐ نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور اُن کے حق کو تسلیم کیا۔ (بقیہ صفحہ 11 پر)

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

معیشت کی وہی پُرانی کہانی

گزشتہ سال انھی مہینوں میں جو کالم قارئین کی نظر کیے، اُن میں قومی معیشت کے جن اُمور پر روشنی ڈالی گئی، وہ ملکی آمدن میں کمی اور اخراجات میں اضافہ، پھر ان اخراجات کے لیے ٹیکسوں کا پیچیدہ نظام اور اندرونی اور بیرونی قرضوں کا حصول، ضروریاتِ زندگی پر مزید ٹیکس، مہنگائی میں اضافہ، اعداد و شمار میں معاشی ترقی، میڈیا پر معیشت کی مثبت خبریں اور پھر اگلا عوامی بجٹ، جس میں سب سے بڑا حصہ بینکوں کو سُود کی ادائیگی کا، پھر دفاع کا، پھر ترقیاتی کاموں کا، پھر انتظامیہ کا اور آخر میں صحت اور تعلیم سے متعلق تھے۔

ان امور پر تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سلسلہ ایک طویل عرصے سے جاری ہے اور اس عوامی ترقی کے تناظر میں کچھ کام ہوا بھی ہے تو وہی ہماری غلامی کے انگریزی دور کے انداز میں۔ یعنی خام مال کی رسد اور اس پر صنعتی سرگرمیوں کو سہولت فراہم کرنے کے لیے سڑکوں پُلوں کی تعمیر، صنعت کو چلانے کے لیے بجلی گھروں اور مواصلاتی نظام کا بندوبست، جدید صنعتی دور کی ضروریات کے پیشِ نظر افرادی قوت فراہم کرنے کے لیے تعلیمی نظام، جہاں سے پڑھے لکھے مزدور پیدا ہوتے رہیں اور مشینوں کا پہیہ چلتا رہے اور حکومت کرنے کے لیے کیمبرج اور آکسفورڈ نظامِ تعلیم کے سکول اور کالج پاکستان میں ہی کھول دیے جائیں، تاکہ کم خرچ میں زیادہ انسانی وسائل (غلام) تیار کیے جاسکیں۔ اور اس سارے عمل سے کمایا جانے والا سرمایہ بیرونِ ملک محفوظ کیا جاتا رہے، تاکہ اس چکر کی حفاظت کے لیے ضروری وسائل میسر رہیں۔

معاملہ سمجھنا زیادہ مشکل نہیں۔ بس کبھی کبھی اس کی ترتیب اور اس میں ملوث چہرے بدل جاتے ہیں۔ ہاں! نتائج ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ گویا ہم سب بچپن سے یہ سنتے آرہے ہیں کہ مہنگائی بڑھ رہی ہے۔ حالات خراب ہوتے جارہے ہیں۔ بے روزگاری بڑھ رہی ہے۔ جرائم بڑھ رہے ہیں۔ ملکی معیشت مشکلات کا شکار ہے۔ قوم قربانی دے۔ قربانی رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ جب کہ قربانی ہے کہ نتائج سے عاری۔ عوام کی قربانیوں اور حکمران اشرافیا کی بے پناہ محنت اور لگن کی بدولت آج پاکستانیوں پر کُل 183 کھرب روپوں کا قرض ہے، جو دس سال قبل 44 کھرب؛ بیس سال پہلے 17 کھرب اور تیس سال پہلے صرف 4 کھرب تھا۔ اس دوران عوام نے خوب قربانیاں دیں۔ ہم نے بین الاقوامی جہاد میں حصہ لیا اور جانیں گنوائیں۔ اس جہاد کے دوران نہ جانے کتنے ڈالر اس ملک میں آئے لیکن وہ ہمارا کچھ بھلا نہ کر سکے اور معیشت گراوٹ کا شکار ہوتی گئی۔ لیکن حیرت انگیز طور پر اس گرتی ہوئی معیشت میں کئی بڑے بڑے کاروباری گروپوں نے بے پناہ ترقی کی۔

آج بھی سالانہ بنیادوں پر پاکستانی بینک، قدرتی تیل کی کمپنیاں، اشیائے صَرف کے کاروبار، خوردنی اَجناس پیدا کرنے والی قومی اور ملٹی نیشنل کمپنیاں منافع کماتی ہیں، وہ بھی اُس ماحول میں، جہاں معاشی اعشاریے ایک طویل عرصے سے گراوٹ کا شکار ہیں۔ لیکن معلوم نہیں ان کے چوسنے کے لیے خون کہاں سے آرہا ہے؟

www.rahimia.org

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رامضان، راولپنڈی

امریکا کی عالمی بالادستی سے واپسی

23/جنوری 2017ء کو 45ویں منتخب امریکی صدر نے اپنا پہلا صدارتی حکم نامہ جاری کیا ہے۔ برطانوی خبر رساں ایجنسی رائٹر کی اسی روز کی اطلاع کے مطابق اس حکم کے ذریعے آئندہ امریکا کی تمام پالیسیاں ''سب سے پہلے امریکا'' کے بنیادی نظریے پر مبنی ہوا کریں گی۔ باراک حسین اوباما کے آخری دور میں (TRANS PACIFIC PARTNERSHIP) ٹرانس پیسفک پارٹنرشپ (TPP) ایشیائی بحرالکاہل تجارتی اشتراک کے نام سے فروری 2016ء میں بحرالکاہل کے کنارے واقع 12 ملکوں کے مابین ایک تجارتی معاہدہ طے ہوا تھا۔ امریکا کے علاوہ ان میں جاپان، ملائشیا، ویتنام، سنگاپور، برونائی، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، کینیڈا، میکسیکو، چلی اور پیرو شامل تھے۔

بحرالکاہل کے ایشیا ریجن میں جہاں چین کا اثر و رسوخ پھیل رہا ہے، امریکا اس معاہدے کے ذریعے خطے میں اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس معاہدے میں شریک ممالک دنیا کی تجارت کے 40 فی صد حصے کے ذمہ دار ہیں۔ آج جب امریکی صدر نے اس معاہدے سے پلٹنے کا حکم نامہ جاری کیا تو اس کا یہ قدم مستحسن قرار نہیں دیا گیا۔ یہ حکم نامہ تین شقوں پر مشتمل تھا۔

مذکورہ معاہدے سے واپسی، بیرونی دُنیا سے حاصل کردہ خدمات کی خریداری کو منجمد کرنا، میکسیکو کے ساتھ سرحد پر دیوار کی تعمیر اور اقوامِ عالم میں تجارت پر عائد پابندیوں کا خاتمہ۔ ادھر چینی اخبار کا کہنا ہے کہ مغربی جمہوریت اپنی عوام کے مسائل حل کرنے میں بے بس دکھائی دیتی ہے۔ برطانوی خبر رساں ایجنسی رائٹر کے مطابق دنیا اپنے اقتصادی مسائل کے حل کے لیے ایک نئے ماڈل کی طرف بڑھ رہی ہے۔

کارنیل یونیورسٹی میں تجارتی پالیسی کے پروفیسر ایشور پرشاد کے بہ قول: امریکی صدر کا یہ فیصلہ امریکی معیشت کے لیے طویل عرصے میں انتہائی خطرناک اور تباہ کن ثابت ہوگیا ہے۔ امریکا کا عالمی سیاست اور معیشت پر اپنا تسلط قائم رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ امریکا ہی کے رچرڈ ہاس صدر کونسل برائے غیرملکی تعلقات نے کچھ بنیادی قسم کے سوالات اُٹھائے ہیں۔ مثلاً کیا اپنے اتحادیوں اور تجارتی پارٹنرز کو تنہا چھوڑنے سے ہم ان کا اعتماد نہیں کھودیں گے؟ کیا اس خلا کو چین نہیں پُر کرے گا؟ امریکی سینیٹر جان میکین کے بہ قول: TPP سے واپسی ہماری بہت بڑی غلطی ہوگی۔ اس خلا سے چین خطے میں اَور زیادہ مضبوط اور طاقت ور ہو جائے گا۔

چینی صدر نے ڈیووس میں خطاب کے دوران آگاہ کیا تھا کہ ''اگر امریکا نے تا مین یعنی درآمدات پر بھاری ٹیکس لگانے کی پالیسی اختیار کی تو جہاں غیرملکی مصنوعات امریکی عوام کے لیے مہنگی ہو جائیں گی، وہیں ان مصنوعات کی فوری عدمِ دستیابی کی وجہ سے معاشی بحران پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔'' چینی صدر کا مزید کہنا تھا کہ: آج کسی ملک کے لیے تجارتی پابندیوں پر مبنی اقدامات اختیار کرنے سے اسے عالمی تجارت کا فاتح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

امریکی صدر نے مزید کہا ہے کہ TPP سے واپسی کے بعد ان کا اگلا قدم NAFTA سے واپسی ہوگا۔ یہ بھی ایک تجارتی معاہدہ ہے، جس میں کینیڈا اور میکسیکو شامل ہیں۔ (North American Free Trade Agreement) (نارتھ امیریکن فری ٹریڈ ایگریمنٹ) یعنی شمالی امریکی ممالک کے مابین آزاد تجارت کا معاہدہ۔ اس معاہدے کا ایک فریق میکسیکو امریکا کے جنوب میں، جب کہ دوسرا فریق کینیڈا اس کے شمال میں واقع ہے۔ امریکا نے کینیڈا پر زور دیا ہے کہ وہ سرحد پر دیوار تعمیر کرے اور اس کے اخراجات پورے کرنے کے لیے خود اپنے اوپر 20 فی صد ٹیکس عائد کرے۔ کینیڈا کے سرکاری ترجمان نے کہا کہ امریکا کے ساتھ کینیڈا کی تجارت پہلے ہی عدمِ توازن کا شکار ہے۔ ڈونلڈ ٹرمپ کے بہ قول میکسیکو میں جنرل موٹرز اور بی ایم ڈبلیو کے کاریں بنانے والے قائم صنعتی یونٹس کو بھی واپس امریکا منتقل کر دیا جائے گا۔

امریکی اقتصادی ماڈل' جو دوسری جنگِ عظیم کے بعد دنیا میں نافذ کیا گیا، اس کی بنیاد دو بڑے اداروں پر مبنی تھی، یعنی عالمی بینک اور آئی ایم ایف۔ ان دونوں اداروں کا تصور جان مئنر ڈ کینز نے متعارف کروایا تھا۔ وہ بیس ویں صدی کا انتہائی بیدار مغز امریکی معیشت دان سمجھا جاتا تھا۔ سرمایہ دارانہ عالمی معیشت کی حالیہ تشکیل اس کے تصور کی عملی شکل تھی، جو آج دم توڑ چکی ہے۔

جولائی 1944ء میں امریکی شہر بریٹن ووڈ کے مقام پر جب یہ خاکہ پیش ہوا تو کہا گیا تھا کہ مذکورہ دونوں ادارے رکن ملکوں (44 ملکوں کے نمائندے اجلاس میں شریک ہوئے تھے۔) کی حکومتوں کو ترقیاتی مقاصد یعنی ریل، روڈ، پانی، بجلی، گیس اور دیگر ایسے اداروں کی تعمیر و تشکیل کے علاوہ ان کو روزانہ کی بنیاد پر ملکی بندرگاہوں کے ذریعے اشیا و خدمات کی خرید و فروخت کے نتیجے میں ہونے والے خسارے اور فاضل آمدنیوں کے اثرات کو زائل کرنے کا ایک خود کار مالیاتی نظام فراہم کرے گا۔ اس کے بعد جولائی 1956ء میں ایک اور ادارہ IFC آئی ایف سی یعنی انٹرنیشنل فنانس کارپوریشن کو قائم کردیا گیا۔ جس کا مقصد رُکن ملکوں میں غربت کے خاتمے کے لیے پرائیویٹ شعبے کو مالیاتی تعاون فراہم کرنا تھا۔ جس کے نتیجے میں رکن ملکوں میں ارتکازِ دولت کا عمل بڑھنا شروع ہوگیا۔

1980ء کے عشرے میں سنٹرل اور مغربی یورپ کے ملکوں میں آہستہ آہستہ کمیونسٹ تحریک ماند پڑنے لگی۔ جوں ہی یہ تحریک کمزور ہونے لگی، یورپ نے بنیادی سہولیات؛ پانی، بجلی، گیس، تعلیم اور صحت جیسی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی نجی شعبے کے ذریعے تجارتی بنیادوں پر استوار کرنا شروع کر دیں۔ یہیں سے مغربی دنیا میں مخلوط طرزِ معیشت کا اقتصادی ماڈل تشکیل پانا شروع ہوگیا۔ (بقیہ صفحہ 11 پر)

www.rahimia.org

رپورٹ: نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

اللہ تعالیٰ کی قدر و عظمت کا تقاضا

10 رفروری 2017ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ اس دوران انھوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر و عظمت کی حقیقت واضح کرتے ہوئے فرمایا: ''مسلمان کی پہلی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کی قدر و عظمت اپنے دل میں پیدا کرے۔ اُس کی محبت اور چاہت، اُس کا ڈر اور خوف، اُس کی بڑائی اور طاقت وقوت، اُس کی اس کائنات پر اعلیٰ درجے کی گرفت اور قوت کو تسلیم کرے۔ یہ تبھی ہے کہ جب وہ اللہ کی ذات کی عظمت دل اور زبان سے کرے اور اسی کے ساتھ اللہ نے انسانیت کی ترقی کے لیے جو احکامات اور ضابطے دیے اُن کو بھی مانے۔ اُن کا عملی نظام قائم کرے۔ جب تک اللہ کے احکامات کے نظام قائم کرنے کا جذبہ اُس میں بیدار نہیں ہوتا، تو دراصل اللہ کو ماننا پورا نہیں ہوتا۔

آج مسلمانوں کے ہاں سرمایہ داری نظام کی دریوزہ گری ہے یا سوشل اِزم کے اثرات ونتائج سے مخلوط معیشت کے دعوے ہیں۔ معیشت حرام کی۔ سیاست تکبر وغرور اور آمریت کی۔ معاشرت افتراق وانتشار کی۔ گویا کہ عملاً یہ اعلان ہے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ (91:6) کہ اللہ نے تو انسانیت پر کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ کیوں کہ اگر اللہ کی قدر اور عظمت ہوتی اور اللہ کی نازل کردہ کتاب پر پورا یقین ہوتا، اُس کی بھی قدر ہوتی تو ضرور اس حکم کا عملی نظام قائم کرنے کی کوشش تو کرتے۔

اپنے باس کی قدر ہے۔ اپنے حکمران اور لیڈر کی قدر ہے۔ قبیلے، نسل اور برادری کی قدر ہے۔ اُس کی روایات کو فرض سمجھتے ہیں۔ اگر منگنی پر اس نے پیسے خرچ نہ کیے تو برادری میں ناک کٹ جائے گی۔ کیوں کہ وہ تو فرض ہے۔ کسی کی موت کے موقع پر جب تک تیجے چالیسویں میں سارے لوگوں کو مرغانہ کھلایا تو بڑی بدنامی ہوگی۔ اُس کی تو قدر ہے۔ اُس کی عظمت تو ہے، لیکن اللہ نے حکم دیا ہے نظام قائم کرنے کا۔ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (26:38) کہ عدل کی بنیاد پر نظام قائم کرو۔ وہ حکم سنتے ہیں اور ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ اُس کی کوئی پرواہ نہیں۔ دراصل یہی عملاً اعلان کرنا ہے کہ ''اللہ نے انسانیت کے لیے کوئی حکم دیا ہی نہیں۔'' گویا کہ یہ آیت نازل ہی نہیں ہوئی۔ عملاً اس فریضے کا انکار ہے۔ اور جب یہ انکار ہے تو اسی کو اللہ نے کہا کہ: مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (91:6) انھوں نے کماحقہٗ اللہ کی قدر نہیں کی۔ المیہ ہے کہ ایک صوفی بھی ذکر کرتا ہے اور وہ ذکر کے اثر سے عدل قائم کرنے کے لیے میدان میں نہیں اُترتا۔ کثرتِ ذکر سے اُس کی زبان تر ہے، لیکن دل پر چوٹ نہیں لگی کہ جس کے نتیجے میں وہ میدانِ عمل میں نکل کر عدل وانصاف قائم کرنے کے لیے کردار ادا کرے۔ تو وہ بھی زبانِ حال سے یہ کہتا ہے کہ: ''اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز بھی نازل نہیں کی۔''

مسلمان ملکوں کی حالتِ زار

حضرت آزاد رائے پوری نے مزید فرمایا: ''آج سرمایہ داری بحران امریکا کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ وہاں کا صدر اپنے اس بحران پر قابو پانے کے لیے ہر طرح کے کام کرنے کے لیے تیار ہے۔ یہ حکم بھی دیتا ہے کہ مسلمان امریکا سے نکل جائیں۔ اپنے اپنے ملکوں میں مسلمان غلامی کی حالت میں ہیں۔ بھیک مانگنے کے لیے دوسرے نظاموں کا رُخ کرتے ہیں۔ اپنا قومی نظام درست کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ جزیرۃ العرب، وہ عرب خطہ، وہ ایشیا افریقا جو اسلام کا گہوارہ رہا ہے۔ مسلمان اپنے اکثریتی ممالک میں اپنی قوم میں اپنا نظامِ عدل پر قائم نہیں کرتے۔ بلکہ ان ملکوں میں جو چار لفظ پڑھ لیتا ہے، وہ اپنا ملک چھوڑ کر دوسروں کے سسٹم کا غلام بن کر ذلت اور رسوائی کی حالت اختیار کر لیتا ہے۔ موجودہ صورتِ حال میں ان تمام ملکوں کو تو غیرت سے احتجاجاً اعلان کر دینا چاہیے تھا کہ آج کے بعد ہم میں سے کوئی بھی امریکا نہیں جائے گا۔ ہم اپنے اپنے ملکوں میں رہ کر اپنا سسٹم عدل کے مطابق قائم کرنے کی جدوجہد کریں گے۔ یہیں مریں گے، یہیں جئیں گے۔ حالت یہ ہے کہ وہاں ایئر پورٹس پر نمازیں پڑھ کر احتجاج کر رہے ہیں۔ اس طرح احتجاج ہوتا ہے؟ احتجاج تو یہ ہے کہ اُس کے ویزے پر لعنت بھیجیں اور سب اپنے اپنے ملکوں میں واپس آجائیں۔

ان تمام ملکوں کو تو غیرت سے احتجاجاً اعلان کر دینا چاہیے تھا کہ آج کے بعد ہم میں سے کوئی بھی امریکا نہیں جائے گا۔ ہم اپنے اپنے ملکوں میں رہ کر اپنا سسٹم عدل کے مطابق قائم کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں نیشنل اِزم کی طرف جا رہی ہیں۔ قومی نظاموں کی طرف جا رہی ہیں۔ ڈیڑھ دو سو سال دنیا پر حکمرانی کرنے والا برطانیہ آج یورپی یونین سے بھی واپس لوٹ کر برٹش نیشنل اِزم کی طرف جا رہا ہے۔ دنیا کی پچاس ساٹھ سال کی سب سے بڑی سپر پاور کہلانے والا امریکا آج مجبور ہوتا ہے کہ وہ اپنے اصل باشندوں امریکیوں ــــ جنھوں نے وہاں جا کر ریڈ انڈین آبادی کو تباہ و برباد کر کے تسلط حاصل کیا تھا ــــ کے لیے نظام بنائے۔ وہ ''سب سے پہلے امریکا'' کا نعرہ لگاتا ہے، لیکن ہمارے ملکوں کے بھیک منگے امریکا پہنچ گئے۔ کسی دوسرے ملک میں جانے والے مہاجر کی کیا عزت ہوتی ہے؟ اس کی سیاسی قیمت زیرو ہوتی ہے۔ اور اگر معیشت کے نام پر چار ٹکے، چار ڈالرز مل جاتے ہیں تو کیا حیثیت ہے ان ٹکوں کی؟ اسی کے حوالے سے قرآن نے کہا ہے کہ:

''انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی، جیسے قدر کرنے کا حق ہے۔''

سیاسی قیادت ہو یا عدالتی، مذہبی رہنما ہوں یا معیشت دان، سب لوگ اپنے ملکی سسٹم کی بُرائی تو کریں گے، یہاں کے حکمران طبقوں کی لوٹ مار پر قہقہے لگائیں گے اور ریمارکس پاس کریں گے، لیکن عدل پر مبنی سسٹم بنانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ خدا کا خوف کھائیے! کیا بیس کروڑ میں کوئی بھی غیرت مند نہیں ہے جو اللہ کی قدر کی اساس پر اللہ کا نظام قائم کرنے کے لیے کوئی کردار ادا کرے؟ کیسے مسلمان ہیں؟ کیسے اس کتاب پر یقین رکھنے کے دعوے دار ہیں؟ کیسے اس حکم کو تسلیم کرنے کے دعوے دار ہیں؟!''

www.rahimia.org

خواجہ عبدالحیٔ فاروقیؒ (تلمیذِ خاص مولانا عبیداللہ سندھیؒ)

اپنا کام آپ کرو

دنیا کے تمام بڑے بڑے لوگ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے اور اسے عیب نہیں جانتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس لیے تعریف کی کہ وہ اپنا کام خود کرتے تھے۔

فرمایا: ''اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے کئی طرح کی بزرگی دی۔ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا تھا کہ اے پہاڑو! تسبیح میں داؤد کے ساتھ ان کے جوابی بنو۔ ایسا ہی حکم پرندوں کو بھی دیا۔ اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو بھی نرم کر دیا کہ اس کی اچھی پوری پوری زرہیں بناؤ اور کڑیوں کے جوڑنے میں مناسب اندازے کا خیال رکھو اور داؤد کے خاندان کے لوگو! نعمتوں کے شکریے میں نیک کام کرو۔'' (القرآن 34:1، 11)

ہمارے رسول ﷺ بھی اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو بہت پسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ: ''ہر مسلمان کو صدقہ دینا چاہیے۔'' لوگوں نے کہا کہ جس شخص کے پاس کچھ نہ ہو، وہ کیا کرے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اپنے ہاتھ سے کام کر کے اپنے آپ کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ دے۔'' (بخاری)

آپ ﷺ نے تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''جو شخص اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھانا کھاتا ہے، اس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں اور اللہ کے نبی داؤدؑ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔'' (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب آپؐ گھر میں ہوتے تو اپنا کام خود کرتے۔ جوتا گانٹھتے۔ کپڑا سیتے۔ کپڑوں میں سے جوئیں نکالتے اور اپنی بکری کا دودھ دوہتے۔

نہ صرف آپؐ، بلکہ آپؐ کی بیبیاں بھی گھر کے کام باری باری کرتی تھیں۔ ایک روز حضرت عائشہؓ کی باری تھی۔ آپؓ نے جَو پیسے۔ اس کی روٹیاں پکائیں اور آپ کا انتظار کرنے لگیں، یہاں تک کہ سو گئیں۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو انھیں جگایا۔

حضرت عمرؓ اپنے اونٹوں کی جوئیں خود نکالا کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ بہت بڑے دولت مند آدمی تھے۔ ان کے پاس لونڈی غلام بھی بہت زیادہ تھے، مگر پھر بھی وہ اپنا کام خود ہی کرتے۔ رات کو تہجد کی نماز کے لیے اٹھتے اور کوئی جاگتا نہ ہوتا تو خود ہی وضو کا سامان کر لیتے اور کسی کو جگا کر اس کی نیند خراب نہ کرتے۔

حضرت علیؓ اپنی اونٹنیوں کو چارہ کھلاتے اور انھیں آٹا گھول کر پلایا کرتے۔ ایک شخص نے ایک دفعہ آپؓ کی اور حضرت عثمانؓ کی دعوت کی۔ جب وہ حضرت علیؓ کے پاس آیا تو دیکھا کہ آپ اپنے اونٹوں کے لیے پتیاں جھاڑ رہے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ ہمارے رسولؐ کی لاڈلی بیٹی تھیں، مگر چکی پیتے پیتے ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ (بقیہ صفحہ 12 پر)

مولانا مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ اور بے لوث خدمتِ انسانیت

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ (م 1957ء) تحریکِ آزادی کے سپہ سالاروں کے پیر، شیخ العرب والعجم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہم کے جانشین تھے۔ آپؒ پر مشائخ کی تربیت کی وجہ سے رضائے الٰہی کے لیے خدمتِ انسانیت کا بے مثال جذبہ تھا۔ ذیل کا واقعہ آپؒ کے اس عظیم کردار کی صرف ایک نظیر ہے۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت مدنیؒ آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ سٹیشن پر شرفِ زیارت کے لیے گئے۔ حضرتؒ کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف ضلع جھنگ کے دیوبند تک حضرتؒ کے ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹل مین بھی تھے، جن کو ضرورتِ فراغت لاحق ہوئی۔ وہ رفع حاجت کے لیے گئے اور اُلٹے پاؤں بادلِ نخواستہ واپس ہوئے۔

حضرت مدنیؒ سمجھ گئے۔ فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں اِدھر اُدھر سے اکٹھی کیں اور لوٹا لے کر لیٹرین میں گئے اور اُسے اچھی طرح صاف کر دیا اور ہندو دوست سے کہا کہ: ''جائیے! لیٹرین تو بالکل صاف ہے۔'' نوجوان نے کہا کہ: مولانا! میں نے دیکھا ہے لیٹرین ناقابل استعمال ہے۔ قصہ مختصر! وہ اٹھا اور جا کر دیکھا تو لیٹرین بالکل صاف تھی۔ بہت متأثر ہوا اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا کہ یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے۔

راقم الحروف کو یہ بات بھی پہنچی ہے کہ اسی واقعے کو دیکھنے پر یا اس طرح کے کسی دوسرے موقع پر خواجہ نظام الدین تونسوی مرحوم نے اس ڈبے میں ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کھدر پوش کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ حسین احمد مدنی ہیں۔ تو خواجہ صاحب مرحوم بے اختیار ہو کر حضرت مدنی کے پاؤں سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ حضرتؒ نے جلد پاؤں چھڑائے اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو خواجہ صاحب نے کہا کہ: سیاسی اختلاف کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف فتوے دیے اور بُرا بھلا کہا۔ اگر آج آپ کے اس اعلیٰ کردار کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا۔ حضرتؒ نے فرمایا: ''میرے بھائی! میں نے تو حضورؐ کی سنت پر عمل کیا ہے۔ اور وہ سنت یہ ہے کہ حضورؐ کے ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کر دیا تھا۔ صبح اٹھ کر جلدی چلا گیا۔ جب اپنی بھولی ہوئی تلوار لینے واپس آیا تو دیکھا کہ حضورؐ بہ نفسِ نفیس اپنے دستِ مبارک سے بستر کو دھو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا۔'' (بیس بڑے مسلمان، ص: 515)

اس واقعہ میں ہمیں انسانیت کے احترام اور خدمت میں مسلم و غیر مسلم کی تفریق نہ کرنا، نیز بخاری شریف کی روایت کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک یہودی کے جنازے کے لیے اٹھنا اور سائل کے غیر مسلم ہونے کی نشان دہی پر الیست نفساً؟ (کیا یہ انسان نہیں ہے؟) فرمانا، اسوۂ نبویؐ بھی یاد دلاتا ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ سیاسی اختلاف میں تحقیقِ حق ضروری ہے۔ خواجہ نظام الدین بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ آپؒ کے عظیم اَخلاق کو دیکھ کر اپنے سیاسی فتوے سے رجوع کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اَسلاف کے اسوے کی اتباع نصیب فرمائے۔ آمین!

www.rahimia.org

وسیم اعجاز، کراچی

عارف الہند امامِ ربانی شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانی)

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ ۱۴؍شوال ۹۷۱ھ/ 27؍مئی 1564ء کو سرہند ضلع پٹیالہ میں پیدا ہوئے۔ اسمِ گرامی احمد، کنیت ابوالبرکات، لقب بدرالدین اور عرف امام ربانی تھا۔ نسباً فاروقی تھے۔ والدِ گرامی کا نام شیخ عبدالاحد سرہندیؒ تھا، جو کہ فقہ اور اصولِ فقہ کے ماہر تھے۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے زیادہ تر علوم اپنے والدِ گرامیؒ سے حاصل کیے۔ بعد میں سیالکوٹ تشریف لے گئے، جہاں شیخ کمال الدین کشمیریؒ سے بعض کتب کی تعلیم حاصل کی۔ حدیث کی سند شیخ یعقوب بن حسن صیرفیؒ سے حاصل کی۔ سیالکوٹ میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ اُن کے ہم مکتب تھے، جنھوں نے سب سے پہلے ان کو اپنے ایک خط کے ذریعے ''مجدد الف ثانی'' کے لقب سے ملقب کیا۔

1581ء میں 17 سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو کر تصنیف و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ مجدد الف ثانیؒ تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، علم الکلام اور تصوف وغیرہ کی کتب بڑی تحقیق سے پڑھاتے تھے۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ برصغیر کے ایسے برگزیدہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جو ابتدا ہی سے علم و فضل، زہد و تقویٰ کی دولت سے مالا مال تھا۔ جب وہ تعلیم سے فراغت کے بعد آگرہ تشریف لے گئے تو وہاں ابوالفضل اور فیضی سے ملاقات ہوئی۔ ان کے ساتھ فلسفے کے موضوع پر بحث ہوئی تو مجدد صاحبؒ نے تاریخی اور عقلی دلائل دے کر ان کو قائل کر لیا۔ جس کے بعد انھوں نے مجدد صاحبؒ کی تعلیمی قابلیت کا اعتراف کیا۔

1598ء میں والدِ گرامی کے انتقال کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ حج کرنے کی نیت سے سرہند سے روانہ ہوئے اور دہلی میں آپؒ کی ملاقات حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ سے ہوئی۔ اس موقع پر انھوں نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بیعت کی اور اُن کی صحبت اٹھائی۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے ان کو اپنی خلافت اور پھر جانشینی سے بھی مشرف فرمایا۔ 1619ء میں سجدۂ تعظیمی سے انکار کی پاداش میں جہانگیر نے ان کو گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا۔ ایک سال تک قید کی حالت میں بھی قیدیوں اور مجرموں کی اصلاح کا کام جاری رکھا۔ بالآخر بادشاہ وقت کو بھی ان کے آگے گھٹنے ٹیکنے پڑے اور امامِ ربانیؒ کو رہائی دے کر ان کی شرائط قبول کرنا پڑیں اور ان سے انتہائی عقیدت کا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

''شیخ مجددؒ اس دور کے رہنما ہیں۔ اس دور کے بہت سے معارف اور علوم شیخ مجددؒ کی زبانِ مبارک سے صادر ہوئے ہیں۔ وہ اس دور کے قطب الارشاد ہیں۔''

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شریعت، طریقت اور سیاست میں بڑی جامعیت کے ساتھ تجدیدی کام کیا۔ تینوں شعبوں میں نہ صرف رہنمائی دی، بلکہ ان کی عملی جدوجہد سے ہندوستان کے معاشرے اور نظام میں بنیادی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ حضرتؒ کے مکتوبات' دین اسلام کے ان تینوں شعبوں میں ان کے تجدیدی فکر و عمل کی بڑی خوبی کے ساتھ وضاحت کرتے ہیں۔ تاریخی حقائق یہ ہیں کہ مغل بادشاہ شاہ جہان اور اَورنگزیب عالمگیرؒ کا دورِ حکومت' جسے مولانا عبیداللہ سندھیؒ ''مثالی دور'' کہتے ہیں، اس انقلابی تبدیلی کی واضح نشان دہی کرتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تجدیدی کردار کے اہم نکات درجِ ذیل ہیں:

1۔ اتباعِ سنت ﷺ کی اَساس پر شرعی احکامات کی حقانیت کو واضح فرمایا۔

2۔ فقہی حوالے سے فرقہ وارانہ جھگڑوں میں مبتلا مذہبی گروہوں کو دین کی جامعیت کی طرف رہنمائی فرمائی۔

3۔ تصوف اور طریقت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، صحابہ کرامؓ اور بلند مرتبت اولیائے عظامؒ کے تجربہ شدہ طریقے کے مطابق سمجھایا۔

4۔ فلسفہ اور فکر کی خرابیوں مثلاً رسمیت، انتہا پسندی اور بے عملی کو ختم کرنے کی تعلیم دی۔

5۔ دین اسلام کی انسان دوست سیاسی تعلیمات کا عملی نظام قائم کرنے کی جانب رہنمائی فرمائی۔

6۔ نظامِ حکومت میں دین اسلام کی تعلیمات سے ہٹ کر جو انسان دشمن رویے پیدا ہو چکے تھے، امرائے سلطنت اور علمائے ملت کے ذریعے ختم کرنے کی جدوجہد فرمائی۔

7۔ علمائے سُو کے باہمی فرقہ وارانہ جھگڑوں کی وَجہ سے سیاسی حکمرانوں کے دلوں میں دین اسلام کو دیگر مذاہب کی طرح سمجھنے کا تأثر پیدا ہو چکا تھا۔ حضرت مجدد صاحبؒ کی تعلیمات اور عملی کاوشوں سے وہ تأثر دور ہوا۔

ان امور کی انجام دہی کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے تربیت یافتہ افراد کی ایک بڑی تعداد تیار کی اور انھیں صحیح دین کی اشاعت کے لیے مختلف شہروں میں متعین فرمایا۔ متعدد علاقوں اور شہروں کے سرکردہ افراد سے بڑے پیمانے پر خط و کتابت فرمائی اور دربارِ شاہی کی مؤثر شخصیات کو اپنے حلقۂ اَثر میں شامل فرمایا۔ ان کی تعلیمات اور کاوشوں سے منتظمین حکومت کے ذہنوں میں دینِ اسلام کی انسان دوست تعلیمات جاگزین ہوئیں۔ ان کی تصنیفات میں ''مکتوباتِ امام ربانی'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

دین اسلام کے احیا کی جدوجہد کے دوران ان کو بہت زیادہ تکالیف اور مخالفتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا، لیکن انھوں نے بڑی ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کیا اور مستقل مزاجی سے اپنے مشن کو آگے بڑھاتے رہے۔

ذوالحجہ ۱۰۳۳ھ/ ستمبر 1624ء کو حضرت مجدد الف ثانیؒ سانس کی تکلیف کی وَجہ سے بخار میں مبتلا ہو گئے۔ ۲۸؍صفر ۱۰۳۴ھ/ 30؍نومبر 1624ء کو ذکر کی حالت میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ان کا مزار سرہند میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے فرمایا کہ: ''آپؒ سے جس کو محبت ہوگی' وہ مؤمن اور متقی ہوگا۔ اور آپؒ سے نفرت و بغض رکھنے والا منافق اور شقی ہوگا۔'' اللہ تعالیٰ ہمیں اکابرین سے محبت کا جذبہ رکھنے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

www.rahimia.org

معاشیات

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی

اسلامی بینکاری ؛ کتنی اسلامی؟

سورت البقرہ کی آیتوں 278اور279 سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں سود کی ہر شکل قطعی ممنوع ہے۔ اور سود اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ یہ ظلم اور استحصال کا سبب بنتا ہے۔ اسلامی تعلیمات سے یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ سودی نظام کے متبادل طور پر اسلامی بینکاری کا جو بھی نظام وضع کیا جائے:

اوّل اس نظام میں سود کا شائبہ بھی نہ ہونا چاہیے۔

دوم اس نظام سے سودی نظامِ بینکاری سے ہونے والے ہر قسم کے ظلم، ناانصافی اور استحصال کا لازماً خاتمہ ہونا چاہیے۔

سوم اس نظام کے نفاذ سے اسلامی نظامِ معیشت کے حصول میں نہ صرف معاونت ہونی چاہیے، بلکہ تمام فریقوں کو لازماً سماجی انصاف ملنا چاہیے۔

گزشتہ برسوں کے تجربات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلامی بینکاری کے عملی نفاذ سے آخر الذکر دونوں مقاصد تو یقیناً حاصل نہیں ہو رہے، جب کہ اسلامی بینکوں کی آڈٹ رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اول الذکر مقصد کے ضمن میں بھی خاصے تحفظات موجود ہیں۔ اسٹیٹ بینک کے احکامات کے تحت پاکستان میں یکم جنوری 2003ء سے اسلامی بینک، سودی بینکاری کے جھنڈے تلے کام کرنے والے بینک ساتھ ساتھ کام کر رہے ہیں۔ چناں چہ سودی نظام کو ملک میں دوام بخش دیا گیا ہے۔ بینکاری کا یہ متوازی نظام قطعی غیر اسلامی ہے۔ وہ قابلِ احترام علما، جو مروّجہ اسلامی نظامِ بینکاری کی پشت پر ہیں، انھوں نے حیران کن طور پر اس معاملے میں قطعی خاموشی اختیار کی ہوئی ہے اور وہ یہ فتویٰ جاری نہیں کر رہے کہ یہ متوازی نظامِ بینکاری غیر اسلامی ہے۔ اس طرح وہ بھی سودی نظامِ بینکاری کو برقرار رکھنے اور دوام بخشنے میں عملاً معاونت کر رہے ہیں۔ یہی نہیں، بیش تر اسلامی بینک نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر کھولے گئے کھاتوں پر اپنے کھاتے داروں کو اپنے منافع میں حقیقی معنوں میں شریک نہ کر کے، نہ صرف معاہدے کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، بلکہ ان کا استحصال بھی کر رہے ہیں۔

اس حقیقت کا ادراک بھی ضروری ہے کہ اگر آنے والی ناانصافی کو ختم کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش کرے بھی تو وہ ناکام رہے گی، کیوں کہ اسے اپنی فنانسنگ (قرضوں) پر لی جانے والی شرح منافع بڑھانی پڑے گی۔ جس کے لیے سرمایہ لینے والی بیش تر پارٹیاں تیار نہیں ہوں گی۔ کیوں کہ انھیں سودی بینکوں سے کم شرح سود پر قرضہ دستیاب ہے۔

واضح رہے کہ اسلامی بینک اپنی بچت کھاتے داروں کو اسٹیٹ بینک کے احکامات کے تحت 6فی صد سالانہ شرح منافع دے رہے ہیں۔ جب کہ ملک میں افراطِ زر کی شرح تقریباً 10فی صد سالانہ ہے۔ یعنی 4فی صد حقیقی منفی شرح منافع، جو کہ استحصال کے زمرے میں آتا ہے۔ اب سے چند برس قبل تک علما حضرات کا مؤقف تھا کہ اسلامی بینکاری کی اصل بنیاد نفع و نقصان کی تقسیم پر قائم ہوگی اور اسلامی بینکوں کا بیش تر کاروبار مشارکہ و مضاربہ پر مبنی ہوگا۔ جب کہ صرف عبوری دور کے لیے بوقتِ ضرورت کچھ دوسرے طریقے، مثلاً مرابحہ وغیرہ اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ حیران کن طور پر عبوری دور کا لفظ اب عملاً حذف کر دیا گیا ہے۔

اسلامی بینک مشارکہ و مضاربہ کے تحت اپنی مجموعی فنانسنگ (قرضوں) کا صرف 3 فی صد فراہم کر رہے ہیں، جب کہ پاکستان میں اسلامی بینک اپنی 86فی صد فنانسنگ مرابحہ اور اجارہ داری وغیرہ کے تحت کر رہے ہیں۔ جہاں حتمی نتیجہ سودی نظام سے مختلف نہیں ہوتا۔ اسلامی بینک سرمایہ لینے والی پارٹی کے کاروبار میں ہونے والے نقصان کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے اور پہلے سے طے شدہ شرح منافع وصول کر لیتے ہیں۔ سود پر مبنی معیشت کے ماحول میں اسلامی بینکاری کے تحت فنانسنگ کے طریقوں کو ناقابل عمل بنانے کے لیے علما حضرات بہت زیادہ لچک کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ اسلامی بینکاری میں جب کہ (بہانے بازی) کے تصور کو پروان چڑھا دیا گیا ہے۔ اسلامی بینکاری کے فلسفے میں علما کی منظوری سے بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں لائی جا چکی ہیں اور شریعہ کے مقاصد پس پشت جا چکے ہیں۔ پاکستان میں سودی بینکوں کے اسلامی بینکاری کے ضمن میں کچھ اہم فیصلے ان سودی بینکوں کی انتظامیہ ہی کرتی ہے۔

بدنامِ زمانہ پی سی او کے تحت حلف اٹھانے والی سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ نے 24/جون 2002ء کو اپنے ہی بنچ کے 23/دسمبر 1999ء اور وفاقی شرعی عدالت کے 14/نومبر 1991ء کے سود کو حرام قرار دینے کے فیصلوں کو کالعدم کر کے مقدمہ ازسرِ نو شنوائی کے لیے وفاقی شرعی عدالت بھیج دیا۔ جہاں پر طویل عرصہ گزرنے کے باوجود شنوائی شروع ہی نہیں ہوئی۔ اسلامی نظریاتی کونسل، مذہبی جماعتوں اور علما نے اس پر کسی اضطراب کا اظہار نہیں کیا۔ پی سی او کے تحت حلف اٹھانے والے جج تو کیفرِ کردار تک پہنچ چکے ہیں، مگر ان کا یہ تباہ کن فیصلہ پوری آب و تاب سے (10 برس کا عرصہ گزرنے کے باوجود) برقرار ہے۔

ان حالات میں عام مسلمان مایوسی کا شکار ہیں۔ پاکستان میں 96فی صد کھاتے سودی بینکوں کے پاس ہیں، جب کہ صرف 4فی صد کھاتے اسلامی بینکوں کے پاس ہیں۔ سپریم کورٹ کی جانب سے ڈھائی برس سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود قرضوں کی معافی اور اسٹیٹ بینک کے سرکلر 29 مؤرخہ 15/اپریل 2002ء کے ضمن میں فیصلے نہ آنے سے ان قرضوں کی وصولی کا امکان اب تقریباً ختم ہوگیا ہے۔ جس سے کئی سو ارب روپے کا جھٹکا لگے گا۔ وکلا برادری اور ریٹائرڈ جج صاحبان بھی اس معاملے پر خاموش ہیں۔ یہی نہیں، 10/اگست 2012ء کو اسٹیٹ بینک نے اپنی خود مختاری سے دستبردار ہو کر وزارتِ خزانہ کے ایک ذیلی ادارے کا روپ اپنایا اور پالیسی ریٹ کو 12 فی صد سے کم کر کے 10.5فی صد کر دیا۔ (بقیہ صفحہ 12 پر)

www.rahimia.org

فکرِ سعید

اَخذ وترتیب: حافظ محمد شفیق، لاہور

ولی اللّٰہی نظریہ اور عصرِ حاضر کی ضرورت

(افادات: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ)

☆ آج مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ انھیں ذرائع ابلاغ بہکا لے جاتے ہیں۔ مغرب کا پروپیگنڈا اُن کے ذہنوں کو سوچنے سے روک دیتا ہے۔ یہی وَجہ ہے کہ آج مسجد میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ مسجد کے خطیب کی باتوں کو لائق اعتنا نہیں سمجھتا، لیکن اخبارات پر بلاسوچے سمجھے ایمان لے آئے گا۔ حال آں کہ صحافیوں کی اکثریت اپنی پالیسیاں فروخت کرتی ہے۔ ایک بڑا اخبار تو لاکھوں کے ذہنوں کو بگاڑ سکتا ہے اور مسجد کا وعظ ایک کی بھی ذہن سازی نہیں کرتا۔ خطیب کو کہا جاتا ہے کہ آپ بخاری شریف کے حوالے سے بات کریں، مگر ''نوائے وقت'' کے خلاف نہیں۔ ایسے میں مسجد کے مجمعے کس طرح علمائے کرام کی طاقت بن سکتے ہیں۔ دین کی طاقت وہ ہے، جو نظامِ ظلم کے خلاف ایک فکر رکھتی ہو اور اس کے مقابلے کے لیے تیار ہو۔

☆ آج یورپ میں دہریت اس لیے ہے کہ وہاں کے پادری اِزم نے بادشاہوں کا ساتھ دیا تھا اور آج مذہب کو فرسودہ نظام کی حمایت میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اگر دین کا صحیح کردار نہ اپنایا گیا تو مستقبل میں دُنیوی فائدے والا پروگرام تو کامیاب ہوجائے گا، لیکن دین کا احیا نہ ہوگا۔ ہمیں حالاتِ جدیدہ میں عبقری صلاحیت پیدا کر کے دنیا میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہیے۔ (عزم نمبر48۔ اکتوبر نومبر1982ء)

☆ اس تنظیم کا مقصد یہ ہے کہ حضرت شاہ (ولی اللہ دہلوی) صاحبؒ کے پروگرام کو سمجھیں، ان کے افکار کو سمجھنے کے لیے بیداری پیدا کریں۔ ہم سب ان کا نام لیتے ہیں اور ان کی عقیدت واحترام کے جذبات بھی اپنے اندر رکھتے ہیں، لیکن ہمیں یہ اعتراف بھی کرنا ہوگا کہ ہم ابھی شاہ صاحبؒ کے نظریات و پروگرام سے ناواقف ہیں۔ ہمارے اکابر نے اس پر کافی محنت کی، ہم نے اسے باقی نہیں رکھا۔ لہٰذا یہ آگاہی ضروری ہے کہ یہ تنظیم کوئی نئی تحریک نہیں اور نہ ہی اس کے کوئی نئے مقاصد ہیں، بلکہ اکابرِ حق کے افکار و خیالات کو آگے بڑھانے کی تحریک ہے۔ کوئی جماعت محض عقیدت سے قائم نہیں رہ سکتی اور نہ اپنے مقصد کو پاسکتی ہے۔ عقیدت کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ کسی پروگرام کو سمجھ کر اس پروگرام کو پھیلانے کی جدوجہد کی جائے اور محنت سے کام کیا جائے۔

☆ ایک یہ ہے کہ ہم نیک بن جائیں اور دوسری یہ کہ نیکی کو اور نیک لوگوں کو غالب کیا جائے اور نیک مشن کو بلند کیا جائے۔ نیکی اسی صورت میں قائم رہے گی، جب نیک لوگ غالب ہوں گے یا نیک بات کو طاقت بخش دی جائے گی۔ اس کو مثال سے یوں سمجھ لیں کہ کاشت کار نے بڑی محنت سے زمین آباد کی، اس پر اپنا تمام اثاثہ لگا دیا، اپنی جان کھپا دی، لیکن اس کی حفاظت اور بچاؤ کا کوئی انتظام نہ کرسکا۔ چناں چہ بڑے لوگوں کے جانوروں نے اُسے اُجاڑ دیا۔ تو گویا انجام کار نقصان ہوا۔ حال آں کہ اس نے نیکی کا عمل کیا تھا، لیکن نیکی کے عمل کے بعد اس کی حفاظت کا انتظام نہ کرسکا۔ لہٰذا ہم نے جائزہ لینا ہے کہ آیا دین دار افراد کے دین کی فصل کی حفاظت کا انتظام ہے یا وہ اُجڑ رہی ہے۔ اگر ہم نیکی کی فصل کاشت کرتے رہے اور اس کی حفاظت کا بندوبست نہ کرسکے تو محنت کا ضیاع اور نقصان ہی ہوگا۔

☆ یہ ہمارا المیہ رہا ہے کہ جب مسلمان سلطنتیں اور مسلمان طاقتیں ایک معین جگہ پر رُک گئیں تو ان کا زوال شروع ہوگیا۔ ان میں عیش پرستی آگئی، مقاصد فراموش کردیے گئے اور خواہشاتِ نفس غالب آگئیں۔ جب کہ اللہ کی عادت ہے اور دین کا مزاج ہے، بلکہ فطرت کا تقاضا ہے کہ عمل کو آگے بڑھانے سے ترقی اور اُسے روکنے سے تنزل کا آغاز ہوجاتا ہے۔ چاہے نسبت انبیا علیہم السلام کی اولاد سے ہو یا اہل بیت وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نسلی تعلق ہو۔ لہٰذا دین کی ترقی عمل پیہم میں مضمر ہے۔

☆ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم میں بیداری پیدا ہو اور ہم اس (دین اسلام) کے داعی بن جائیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے عروج وزوال کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور ان کے اسباب پر غور کریں۔ حدیث میں ان کی نشان دہی یوں کی گئی ہے کہ جب علمائے سو پیدا ہوجائیں، مال دار عیاش ہوجائیں اور حکمران بے انصاف ہوجائیں تو تباہی یقینی ہوتی ہے۔ (عزم نمبر49)

(بقیہ: خواتین کا کالم)

اس واقعے سے دو سبق ملتے ہیں: ایک یہ کہ عورت کو جو اختیار/حق حاصل ہے، اس کو بلاخوف وخطر استعمال کرسکتی ہے۔ اس کو کسی دباؤ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم اس کا یہ انکار کسی صورت میں وحئ الٰہی سے نہ ٹکرائے۔ ہمیں ہر صورت میں اسوۂ حسنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازمی ہے۔ اس کے برعکس کسی کا کوئی حق نہیں رہتا۔ آج کل ویسے ہی عورتوں کے حقوق کے بارے میں کنفیوژن پیدا کی جاتی ہے۔ ان کی ملازمتیں، حق رائے دہی اور دیگر سماجی خدمات اور دیگر شعبوں میں کردار ادا کرنے سے زبردستی روکا اور منع کیا جاتا ہے۔

ہمیں اسلام اور نبی اکرمؐ، صحابہ کرامؓ اور صحابیاتِ کرامؓ کے نقطۂ نظر کو سمجھ کر اپنا اجتماعی کردار ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تاکہ فرسودہ نظامِ حیات کے خاتمے اور فک کل نظام کے ولی اللّٰہی نظریے پر قائم رہتے ہوئے ان کے خلاف جدوجہد کی جائے۔ ع

شمع بن کر بزمِ ہستی میں بسر کر زندگی
تاکہ تیرے سوز سے سارے جہاں میں نور ہو

(بقیہ؛ عالمی منظر نامہ)

اس کے بعد 4/دسمبر 1986ء کو اقوامِ متحدہ نے پرائیویٹائزیشن کا قانون متعارف کروا دیا۔ جس سے رُکن ملکوں میں دولت کے ارتکاز اور احتکار کا عمل اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ وہ تمام ادارے جو عوام کے ٹیکسوں اور اُن کی محنتوں کے نتیجے میں سماج میں تشکیل پائے تھے، انھیں چند افراد کی ملکیت میں منتقل کر کے معاشی سرگرمیوں کو مفلوج کر دیا۔ عوام کو

www.rahimia.org

اپنے علاج معالجے اور تعلیم جیسے بنیادی تقاضوں کے لیے محض قدرت کی عنایات پر انحصار کرنا پڑا۔ وہ ڈھانچہ جو پہلے ہی مذکورہ اقدامات سے کھوکھلا ہو چکا تھا، 2008ء کے مارڈگیج بحران اور تیل کی قیمتوں میں ہوش رُبا اضافے نے جلتی پے تیل کا کام کیا اور اسے زمین بوس کردیا۔ دنیا آج کسی ایسے اقتصادی ماڈل کی منتظر ہے، جو انھیں بنیادی انسانی حقوق اور معاشی تحفظ فراہم کرے۔

(بقیہ: بچوں کا کالم)

حضرت اسماءؓ کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی۔ ان کے پاس ایک گھوڑا تھا۔ جس کے لیے باغوں میں جا کر گھاس لایا کرتیں۔ ان کی زمین مدینہ پاک سے کچھ فاصلے پر تھی۔ یہ روز وہاں جاتیں۔ کھجور کی گٹھلیاں سر پر رکھ کر لاتیں۔ انھیں کوٹ کوٹ کر اونٹوں کو کھلاتیں۔ مشک پھٹ جاتی تو سی لیتیں۔ آٹا گوندھتیں اور روٹی پکاتیں۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہٗ مدائن کے حاکم تھے۔ ان کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار دینار تھا۔ جب سرکاری خزانے سے آپ کو یہ رقم ملتی تو اس کو غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کردیتے اور خود چٹائی بُن کر روزی پیدا کرتے۔

پھاوڑا چلاتے چلاتے ایک صحابی کے ہاتھ کالے پڑ گئے تھے۔ رسول اللہؐ نے دیکھا تو پوچھا: ''کیا تمھارے ہاتھوں پر کچھ لکھا ہوا ہے؟'' انھوں نے کہا: نہیں۔ پتھر پھاوڑا چلا کر اپنا اور بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ آپؐ نے اس کے ہاتھ چوم لیے۔

(بقیہ: معاشیات)

جس سے حکومت کو ملکی قرضوں پر سود کی ادائیگی کی مد میں کئی ارب روپے ماہانہ کی بچت ہوگی، مگر اس کے نتیجے میں سودی اور اسلامی بینک اور نیشنل سیونگ سینٹرز معیادی کھاتے داروں اور سرمایہ کاروں کو دی جانے والی شرح منافع میں کمی کا اعلان کردیں گے۔ شرح سود میں کمی کے بجائے اسٹیٹ بینک کو بینکنگ اسپریڈ میں 350 پوائنٹس کمی کا اعلان کرنا چاہیے تھا، تاکہ بینکوں کے کھاتے داروں کو دی جانے والی شرح میں 250 پوائنٹس اضافہ اور قرض پر مارک اَپ کی شرح میں کمی ممکن ہوتی۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ چند علما، جو مروّجہ اسلامی نظامِ بینکاری کی پشت پر ہیں، فتویٰ جاری کریں کہ موجودہ نظام متوازی بینکاری غیراسلامی ہے اور اگر سودی نظام کے تحت چھ ماہ بعد ڈپازٹس لینے اور ان کی تجدید کرنے پر پابندی نہ لگائی گئی تو وہ مردہ اسلامی نظامِ بینکاری کی حمایت واپس لے لیں گے۔ موجودہ اسلامی نظامِ بینکاری کو شریعت کی روح کے مطابق لانے کے لیے ان جید علما سے، جنھوں نے 28/اگست 2008ء کو متفقہ فتویٰ جاری کیا تھا کہ مروجہ اسلامی نظامِ بینکاری غیراسلامی ہے اور اسلامی ذہن رکھنے والے بینکاری کے ماہرین کی مشاورت سے بنیادی نوعیت کی تبدیلیاں اس نظام میں لانا ہوں گی۔ (ماخوذ۔ تحریر اگست 2012ء)

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال ایک شخص احمد دین کی یکے بعد دیگرے دو شادیاں تھیں۔ پہلی بیوی فیض الٰہی سے ایک لڑکا فتح دین پیدا ہوا۔ پھر وہ فوت ہوگئی۔ دوسری شادی عظمت بی بی سے کی۔ اس سے دو لڑکیاں عطاء الٰہی اور کرم الٰہی پیدا ہوئیں۔ 1987ء میں پہلے احمد دین کا لڑکا فتح دین فوت ہوا۔ پھر عظمت بی بی فوت ہوگئی۔ احمد دین نے اپنی زندگی میں اپنی ساری جائیداد مذکورہ دونوں بیٹیوں کے نام منتقل کرادی۔ اپنے دونوں پوتوں محمد حنیف و محمد رفیق پسران فتح دین کو محروم کردیا۔ احمد دین کا انتقال 1990ء میں ہوا۔ 2014ء میں اس کی بڑی لڑکی عطاء الٰہی فوت ہوگئی تو اس کی حقیقی ہمشیرہ نے شیعہ مذہب سے فتویٰ حاصل کرکے ساری جائیداد اپنے نام منتقل کرالی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

i) کیا احمد دین کی جائیداد سے پوتے بھی مستحق ہیں یا نہیں؟ ii) کیا کرم الٰہی اپنے دو بھتیجوں محمد حنیف و محمد رفیق پسران فتح دین کو محروم کرکے اپنے نام جائیداد کراسکتی ہے یا نہیں؟ iii) مرحومہ عطاء الٰہی کے ورثا ہمشیرہ حقیقی کرم الٰہی اور دو بھتیجوں میں وراثت کیسے تقسیم ہوگی؟

سائلان: محمد حنیف، محمد رفیق شہر فرید، چشتیاں

جواب i) چوں کہ احمد دین نے اپنی زندگی میں تمام جائیداد اپنی بیٹیوں کے نام منتقل کرکے ان کو مالک بنادیا، اب پوتے اس سے محروم ہوں گے۔ البتہ منتقل شدہ کے علاوہ اگر کوئی ترکہ ہے تو اس میں وہ دونوں 1/3 کے مستحق ہیں۔

ii) خاندان کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہونے کی وجہ سے محمد حنیف و محمد رفیق کی علاتی پھوپھی کرم الٰہی اپنی مرحومہ ہمشیرہ عطاء الٰہی شیعہ فتوے کی بنیاد پر متعلقہ تمام جائیداد اپنے نام نہیں کراسکتی۔

iii) عطاء الٰہی کی میراث سے اس کی حقیقی بہن کو نصف حصہ ملے گا۔ باقی نصف اس کے دونوں علاتی بھتیجوں میں برابر تقسیم ہوگا۔ یعنی عطاء الٰہی کی جائیداد کے کل چار حصے کیے جائیں گے: دو حصے کرم الٰہی کو اور ایک ایک حصہ دونوں علاتی بھتیجوں کو ملے گا۔ واللہ اعلم

سوال سفر کے دوران نمازِ ظہر کا وقت ہوگیا۔ کیا ظہر کی نماز کے وقت میں سفر کی وجہ سے عصر کی قصر نماز بھی اکٹھے پڑھی جاسکتی ہے؟

جواب ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز، جس کا ابھی وقت ہی نہیں ہوا، نہیں پڑھی جاسکتی۔ البتہ ہمارے بعض مشائخ اور اساتذہ کے نزدیک نمازِ ظہر کا جب مثلِ اوّل ختم ہوجائے اور مثلِ ثانی شروع ہوجائے تو صرف مسافروں اور معذوروں کو مثلِ ثانی میں ظہر اور عصر کو اکٹھا پڑھنے کی گنجائش ہے۔ کیوں کہ اس میں ہمارے حنفی فقہا کے اختلاف کی وجہ سے یہ مشترک وقت بن گیا۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔